ملک کی حالت زار پر ایک نظر

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ ہماری موجودہ زبوں حالی اور قومی ابتری اور انحطاط کی بہت سی وجوہ ہیں، لیکن ان میں ایک اہم وجہ بے لوث، اہل اور ایماندار قیادت کا فقدان بھی ہے۔ ایماندار کا لفظ میں نے وسیع معنوں میں استعمال کیا ہے، اس کا مطلب صرف مالی ایمانداری ہی نہیں، بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں ایمانداری ہے۔ گذشتہ ۶۷ سالہ قومی تاریخ پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے ایک مسلسل تنزل اور زوال کا سلسلہ زندگی کے تقریباً ہر شعبے پر پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ تنزل اور انحطاط محض معاشی ہی نہیں، بلکہ واضح طور پر سیاسی، سماجی اور قومی وذاتی کردار کے حوالے سے بھی نمایاں ہے۔

پاکستان معرض وجود میں آیا تو اس ملک میں لاقانونیت، جرائم، رشوت خوری، ہوس، تعلیمی معیار کی پستی، مذہبی تشدد، دہشت گردی اور فرقہ واریت اس قدر نہیں تھیں، جتنی آج ہیں۔ غربت بلاشبہ آج کے مقابلے میں زیادہ بلکہ بہت زیادہ تھی، لیکن نہ سیاست، تجارت تھی اور نہ ہی قومی وسائل کی لوٹ مار اور لاقانونیت کا دوردورہ تھا۔ قانون وضابطے پر بھی کافی حد تک عمل ہوتا تھا، حکومتی مشینری، بشمول قانون نافذ کرنے والے ادارے فعال وموثر تھے اور قومی خزانے یا قومی وسائل کے غلط استعمال کے واقعات نہ ہونے کے برابر تھے۔ اس کی ایک بڑی وجہ تحریک پاکستان کی قیادت اور قائد اعظم کے ساتھیوں کی ایمانداری، جذبۂ خلوص، حب الوطنی اور صاف دامنی تھی۔ لیاقت علی خان، خواجہ ناظم الدین، سردار عبدالرب نشتر ہوں یا غلام محمد، چوہدری محمد علی، محمد علی بوگرہ، چندریگر، فیروزخان نون جیسے سابق بیوروکریٹ یا بزنس مین اور لینڈ لارڈ ان میں سے کسی پر بھی مالی کرپشن، وسائل کے غلط استعمال، اقرباء پروری وغیرہ وغیرہ کے الزامات نہیں لگائے جا سکتے اور نہ ہی تاریخ نے الزامات کے چھینٹے ان کے دامنوں پر پھینکے ہیں۔ گویا تالاب میں گندی مچھلیاں بہت کم تھیں، بے پناہ رشوت کا رواج محکمہ بحالیات سے شروع ہوا، جس کے ذمے مہاجرین کو متروکہ جائیداد کی الاٹمنٹ کا کام تھا۔ رشوت کا یہ غدر بھی قیام پاکستان کے کئی برس بعد مچا، لیکن اس موضوع پر پھر کبھی۔

تجربہ، مشاہدہ اور مطالعہ بتاتا ہے کہ جب قوم کی قیادت ایماندار ہو، قانون ضابطے کی پابند ہو، اقرباء پروری اور سفارش کلچر کی مخالف ہو، قومی خزانے اور وسائل کو قوم کی مقدس امانت سمجھ کر، ایمانداری سے استعمال کرتی ہو، اپنے آپ کو اعلیٰ مخلوق سمجھ کر، پروٹوکول کی بلندیوں پر نہ رہتی ہو وغیرہ تو اس کے اثرات سارے ملک پر اور خاص طور پر حکومتی مشینری پر ضرور مرتب ہوتے ہیں۔ قائداعظم نہ خزانے سے ایک پائی ناجائز استعمال کرتے تھے اور نہ ہی کسی کو کرنے دیتے تھے۔ قانون کے پابند اس قدر کہ آج تصور کرنا بھی محال ہے۔ قائداعظم کے اے ڈی سی کیپٹن گل حسن (بعد ازاں جنرل) لکھتے ہیں کہ قائداعظم اپنی سرکاری رہائش گاہ سے ملیر کی طرف جارہے تھے، راستے میں ریلوے لائن کا پھاٹک بند تھا، جس کی وجہ سے ٹریفک رک گئی تھی۔ گاڑی آنے میں چند منٹ باقی تھے، میں نے آگے جاکر پھاٹک کھلوادیا، تاکہ گورنر جنرل کی گاڑی نکل سکے۔ واپس آکر گاڑی میں بیٹھا اور ڈرائیور کو کار چلانے کے لئے کہا تو قائداعظم نے منع کر دیا اور کہا ''دیکھو، گل اگر میں قانون توڑوں گا تو میری قوم قانون پر کیونکر عمل کرے گی۔''

یہ چھوٹا سا واقعہ نہ صرف قائد اعظم کی ذہنی ساخت، شخصیت اور سوچ پر روشنی ڈالتا ہے، بلکہ ہمارے لئے مشعل راہ بھی ہے۔ قومی لیڈران، دانشور، علماء غرض کہ زندگی کے ہر شعبے میں قومی سطح کی شخصیات یعنی ٹاپ پر بیٹھے لوگ عوام کے لئے ''نمونے'' کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ملک وقوم کے یہی لیڈران ایک کلچر پیدا کرتے ہیں اور یہ سلسلہ حکمرانوں سے شروع ہوتا ہے، جب ملک کی قیادت کرپٹ ہو، اصولوں اور قوانین کو پامال کرے، سیاست کو اپنے مفادات کے حصول کے لئے استعمال کرے، فضول خرچی، عیاشی اور خزانے کے ضیاع کی مثالیں قائم کرے، اقرباء پروری کی مرتکب ہو، عوامی نظر میں کمیشن، کک بیک لینے کی مجرم ہو تو قوم کو ایسے کارناموں سے کون روکے گا؟ اس ماحول سے حیوانی جبلتیں فروغ پاتیں اور لاقانونیت کا سمندر بہنے لگتا ہے۔ میرا رب جانتا ہے جب میں بچیوں، بچوں سے زیادتی، خواتین کے ریپ اور خودسوزی وغیرہ کی خبریں پڑھتا ہوں تو کانپنے لگتا ہوں۔ یہ اخلاقی زوال اور لاقانونیت کے کرشمے ہیں۔

سچی بات یہ ہے کہ جہاں پولیس بااثر حضرات کی لونڈی ہو اور مظلوم، پولیس کی سردمہری سے مایوس ہوکر خودکشیاں کرنے پر مجبور ہوں، وہاں اللہ کی رحمت کیسے برسے گی؟

پولیس کو اس مقام تک کس نے پہنچایا؟ کافی حد تک ہمارے حکمرانوں، سیاستدانوں، مقامی وڈیروں یا بااثر حضرات نے، جنہوں نے قانون نافذ کرنے والے اداروں کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا شروع کیا اور تعاون نہ کرنے والے افسران کو مختلف قسم کی سزائیں دلوا کر دوسروں کو واضح پیغام دیا۔ پاکستانی جمہوریت میں کسی پولیس افسر کی مجال نہیں کہ وہ کسی ایم پی اے، ایم این اے یا اس کے خاندان اور حواریوں اور بدمعاشوں کے حکم کی سرتابی کرے، جس انگلستان سے ہم نے آزادی لی، وہاں آج بھی پولیس کانسٹیبل وزیراعظم کے خلاف الزامات کی انکوائری کے لئے ۱۰ ڈاؤننگ اسٹریٹ (برطانوی وزیراعظم ہاؤس) کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے اور ابھی چند برس قبل ایسا ہوتا رہا ہے۔ کیا پاکستان میں بڑوں کی غلام کرپٹ پولیس کسی بااثر شخص یا ارکان اسمبلی سے سوال کرنے کی جرأت کر سکتی ہے؟ ہمارے خادم اعلیٰ شہباز شریف نے اس مسئلے سے عہدہ برآ ہونے کا آسان نسخہ ڈھونڈ لیا ہے۔ جہاں کسی عورت سے گینگ ریپ کی خبر آتی ہے اور وہ قانون اور انصاف سے مایوس ہو کر خودسوزی کرتی ہے، وہاں میاں صاحب پہنچ جاتے ہیں، خاندان کو پانچ لاکھ روپے دیتے ہیں، کسی مائی کے سر پر ہاتھ رکھ کر تصویر کھنچواتے ہیں، ٹیلی ویژن پر خاندان کی تشہیر کا بندوبست کر کے، واپس تشریف لے آتے ہیں۔ اس کے بعد اس خاندان کے ساتھ کیا ہوتا ہے، کیا اسے انصاف ملتا ہے یا نہیں، یہ ان کا دردِ سر نہیں ہوتا۔ کیا یہ اس مسئلے کا حل ہے؟ بلاشبہ جذبہ نیک ہے، لیکن کیا اس سے جرائم میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے؟ کیا اس سے پولیس کی کارکردگی بہتر ہوئی ہے؟ جعلی پولیس مقابلے بھی پاکستان ہی کا منفرد کلچر ہیں۔

ہمارا پرابلم یہ ہے کہ ہمارے سیاستدان وقتی ہمدردی اور ووٹ حاصل کرنے کے لئے نمائشی اور سطحی کارناموں پر توجہ دیتے ہیں اور جب اقتدار میں آتے ہیں تو لوٹ مار میں پارٹی عہدے داروں اور وفاداروں کو بھی حصہ دار بناتے ہیں۔ خادم اعلیٰ میاں شہباز شریف کے چھ ارب کے لیپ ٹاپ کوئی انقلاب برپا نہیں کر سکتے، البتہ ووٹ لا سکتے ہیں۔ ہاں اگر چھ ارب روپوں سے ورلڈ کلاس یونیورسٹی بنادی جاتی تو آئندہ کچھ برسوں میں کوالیفائڈ اور ذہین نوجوان کی ایک کھیپ تیار ہو سکتی تھی، جو قومی وسائل میں قیمتی اضافے کا باعث بنتی۔ بات دور نکل گئی، کیونکہ یہ میری دکھتی رگ ہے۔ درد کی لہریں اٹھتی ہیں تو قابو پانا مشکل ہو جاتا ہے۔ بیرون ملک یونیورسٹیوں میں جاتا ہوں تو یہ احساس نیند اڑا دیتا ہے کہ ہم تعلیم کی عالمی ریس میں پیچھے بہت ہی پیچھے رہ گئے ہیں، بلکہ ہمارا تعلیمی شعبہ مسلسل زوال اور تنزل کی منزلیں طے کر رہا ہے۔ ہم بے علم اور بے کار نوجوانوں کی ''فوجیں'' پیدا کر رہے ہیں۔ عالمی سطح کی تجزیاتی رپورٹیں شاہد ہیں کہ تعلیم میں سرمایہ کاری بہترین منافع لاتی ہے۔ قوموں کی ترقی کا راز معیاری تعلیم میں پنہاں ہے۔ صحت کی سہولت ہر شہری کا حق ہے، لیکن صحت کے شعبے کی زبوں حالی قابل رحم حد تک گر چکی ہے۔ افسوس! قوم نے جن ہاتھوں کو اپنا مقدر سونپا ہے، انہیں اس تنزل کا احساس ہی نہیں، کیونکہ وہ بیرون ملک علاج کرواتے، بچے پڑھاتے اور کاروبار کرواتے ہیں۔

مختصر یہ کہ سڑکوں پر نکلیں تو لاقانونیت کا سمندر بہتا نظر آتا ہے۔ نظم وضبط ناپید ہو چکا ہے۔ سرکاری دفاتر رشوت خوری کے گڑھ بن چکے ہیں۔ تھانہ کلچر عام شہری کے لئے عذاب بن چکا ہے۔ عوام میں انصاف کے فقدان، رشوت ستانی، وی آئی پی کلچر، طبقاتی تسلط، جرائم میں خوفناک اضافے اور حکمران طبقوں کی ہوس زر اور کرپشن نے نہ صرف بے بسی کی آگ بھڑکا دی ہے، بلکہ انہیں مایوسی کے اتھاہ سمندر میں بھی ڈبو دیا ہے۔ گویا لاوا اندر ہی اندر پک رہا ہے۔ غربت اور مہنگائی نے ان کی کمر توڑ دی ہے۔ یہ سمجھنا کہ یہ صورتحال اپنا رنگ نہیں دکھائے گی، محض فریب نظر ہے۔ میرے نزدیک موجودہ تنزل، بے حسی، لاقانونیت، کرپشن وغیرہ کے ذمہ دار صرف حکمران ہی نہیں، بلکہ اس میں ہمارے معاشرے کے تمام بالائی طبقوں نے اپنا اپنا تھوڑا بہت حصہ ڈالا ہے، البتہ اس تنزل کے سفر کو ترقی کے سفر میں بدلنے کی ذمہ داری حکمرانوں کی تھی جن میں یہ صلاحیت ہی موجود نہیں تھی۔

یہ لکھتے ہوئے مجھے حددرجہ دکھ ہوتا ہے کہ ہمارے قومی زوال کا سفر جاری وساری ہے اور مجھے اس کے رکنے کے امکانات بھی نظر نہیں آتے۔ میں بنیادی طور پر خوش فہم اور امید پرست واقع ہوا ہوں۔ اس لئے میرے احساس اور ادراک کو مایوسی سے موسوم نہ کریں، بلکہ اسے حقیقت پسندی سمجھیں۔ جہاں تک قلبی کائنات کا تعلق ہے وہاں روشنی کا مینار روشن ہے، جو یقین دلاتا ہے کہ انشاء اللہ ہمارا قومی مقدر بدلے گا، قوم میں اپنا مقدر بدلنے کی آرزو اور تحریک پیدا ہوگی اور وہ اسی طرح بار آور ہوگی جس طرح تحریک پاکستان.....!!

اے اہل حشر ہے کوئی نقارسوز دل
لایا ہوں دل کے داغ نمایاں کئے ہوئے

تحریکوں اور تاریخ سے
سبق حاصل نہ کرنے کی حماقت
(روز نامہ اسلام ۱۷ستمبر۔۲۰۱۴)

کالعدم تحریک طالبان پاکستان کے ایک گروپ جسے پنجابی طالبان کے نام سے جانا جاتا ہے، نے اعلان کیا ہے کہ وہ آیندہ مسلح تحریکی سلسلے کو خیر باد کہہ کر تبلیغی واصلاحی سلسلہ شروع کریں گے۔ قومی ذرائع ابلاغ میں اس گروپ کے نمایندے مولانا عصمت اللہ معاویہ کے واسطے سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ پنجابی طالبان دوسرے گروپوں کو بھی مسلح جدوجہد ترک کرکے، پرامن طریقے سے اصلاح وتبلیغ کا سلسلہ اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا ہے کہ یہ فیصلہ پاکستان میں جہادی تحریکات کے اندرونی حالات کی وجہ سے کیا ہے۔''

یہ ایک اہم موڑ ہے، جب مسلح تحریک پر یقین رکھنے والا ایک برسرپیکار گروہ ازخود ترک تصادم کی راہ اختیار کرکے، جبری اصلاح احوال کی کوششوں کو بے سود قرار دے رہا ہے اور یہی نہیں، بلکہ وہ دوسرے گروہوں کو بھی اس کا مشورہ دے رہا ہے۔ یہاں عالم اسلام کے ایک بڑے حلقے میں پائی جانے والے اس نظریے کی بھرپور تائید موجود ہے کہ مسلم معاشرے کی اصلاح تصادم سے کبھی ہوئی، نہ ہوگی۔ مسلم معاشرے میں سرفہرست حکمران اور ان کا نظام ہے۔ یہیں نہیں، بلکہ شام، عراق، الجزائر، صومالیہ، نائیجریا، مصر وغیرہ میں بھی ثابت ہو چکا ہے کہ سختی، مقابلہ بازی اور جبر کے ذریعے کوئی مستحکم حکومت قائم نہیں کی جاسکتی، اس کی مثال اس نظریہ کے حاملین یہ دیتے ہیں کہ مسلم معاشرے میں جو فساد ہے، بے دینی ہے، احکام اسلام سے بے اعتنائی ہے، یہ ایک اندرونی مرض کے مشابہ ہے، جس کا علاج ہمیشہ نرمی سے ہی کیا جا سکتا ہے، سختی اور تشدد سے جسم تباہ تو ہوسکتا ہے، علاج نہیں ہوسکتا، اس لیے امت مسلمہ کے اس تن داغ داغ کو مرہم کی ضرورت ہے، اس کے چھیدوں کو اور بگاڑنے سے اس کا علاج کس طرح ہو سکے گا؟

اس کے مقابلے میں شدت کے فلسفے کے حاملین یہ کہہ سکتے ہیں کہ جسم کا علاج مرہم سے اس وقت کیا جاتا ہے، جب اس کا کوئی عضو بالکل گل سڑ کر تباہ نہ ہوا ہو، اگر کوئی عضو جل کر تباہ ہوگیا ہو تو اس کو کاٹنا بھی علاج کا حصہ ہے۔ یہ بات ٹھیک ہے، لیکن موجود امت مسلمہ کے کس کس عضو کو کاٹیں تو باقی جسم سلامت رہے گا؟ فساد اور دین بیزاری اتنی ہے کہ اگر کاٹنے پر آئیں تو پورا بدن کاٹنا پڑے گا، اگر مقصد مسلم معاشرے میں دین کا احیاء ہے، اسلام کی سربلندی ہے تو اس مقصد کا جو کارآمد راستہ ہے، وہی اختیار کرنا لازم ہے۔ جس راہ سے مقصد دور ہوا جاتا ہے، وہ اختیار کرنا، مقصد کے ساتھ دوستی نہیں، بلکہ دشمنی ہے۔

بدقسمتی سے مسلمانوں کے کسی طبقے میں تجربوں سے سبق حاصل کرنے کا رجحان نہیں ہے، حالانکہ زمانہ بڑا استاذ ہے، واقعات اور ان کے نتائج بہت کچھ انسان کو سکھا دیتے ہیں، ہونا تو یہ چاہیے کہ کسی بھی قوم کو جب کسی برے نتیجے کا سامنا ہو تو اس سے سبق سیکھا جائے، ہمارے ہاں اپنے اوپر بیتنے والے ہولناک حالات سے بھی کچھ سیکھنے کا بالکل ماحول نہیں ہے۔

حالات وواقعات کے ضبط کا نام تاریخ ہے، قوموں کے ہاں تاریخ کی بڑی اہمیت رہی ہے، جس کی اہمیت سے آج بھی انکار مشکل ہے، اسی لیے سیاست میں تاریخ دانی ایک لازمی چیز سمجھی جاتی ہے۔ جس شخص کو تاریخ سے واقفیت نہیں، وہ سیاست اور امورِ ریاست میں دخل دینے کا عقلا وشرعا مجاز نہیں ہے۔ حیرت ہے کہ مسلمانوں کے ہاں بالخصوص سیاسی اور تحریکی سرگرمیوں میں حصہ لینے والے افراد اور جماعتوں میں تاریخ اور فلسفۂ تاریخ کی طرف توجہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ دوسروں کی تاریخ تو درکنار، اپنی تاریخ، اپنے اوپر بیتے واقعات کا علم ہی نہیں ہوتا، نہ اپنی تاریخ کو مرتب کرنے کا اہتمام ہوتا ہے، نہ اپنی تاریخ کے سود وزیاں کا حساب لگایا جاتا ہے، نہ کوئی عبرت حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اس لیے مسلمان بار بار ایک ہی طرح کی مصیبتوں میں پھنستے جاتے ہیں اور ہر مرتبہ وہی نقصان اٹھاتے ہیں، جو پہلے بھی اٹھا چکے ہوتے ہیں اور اس کے اسباب بھی

تقریبا وہی ہوتے ہیں جو پہلے تھے۔

تحریکات ہی کو لیجیے، برصغیر میں سامراجی دور میں جو معروف جہادی تحریک اٹھی، جس کو ہندوستان کی ایک عظیم روحانی اور علمی شخصیت سید احمد شہیدؒ کی قیادت حاصل تھی، یہ تحریک انگریزی استعمار کے خلاف تھی، ہندوستان سے لے کر افغانستان تک اس کے اثرات تھے اور ہزاروں لوگ اس میں شامل تھے۔ مسلمانوں میں اس تحریک نے کافی حد تک حمایت حاصل کی، جو مشہور تاریخی واقعہ ہے، لیکن اس کا جو اختتام ہوا، وہ بہت عجیب ہے۔ ساری تحریک بالاکوٹ کی وادیوں میں سیکڑوں ہزاروں شہادتوں کے بعد تحلیل ہوگئی۔ اس میں بڑے اسباق ہیں اور سیکھنے کے لیے بہت کچھ ہے، لیکن اس تحریک کی تاریخ کو ہمارے علمی اداروں میں اتنی توجہ نہ ملی، جتنی ملنی چاہیے تھی، اس پر ہمارے قلم کاروں نے بھی معمول سے ہٹ کر کچھ نہیں لکھا، جس سے یہ تحریک جو ایک بہت قیمتی تجربہ تھا، برصغیر کے مسلمانوں کی نظر سے رفتہ رفتہ اوجھل ہوگئی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس تحریک میں جذبات اور عقیدت سے ہٹ کر نفع ونقصان کا تخمینہ کرنے میں بھی بے توفیقی ہی رہی۔ کسی نے اگر اس تحریک کا تذکرہ بھی کیا تو ان مجاہدین کے خلوص، جذبۂ جہاد اور شوق شہادت کو داد دی، جس میں کسی مسلمان کو شک نہیں ہے، البتہ اس جانب بہت کم توجہ رہی کہ یہ تحریک بظاہر ناکام کیوں ہوئی؟ اگرچہ اس پر بھی مبصرین اور مؤرخین نے بات کی ہے اور ایک حد تک اس کا اظہار ملتا ہے کہ مسلم معاشرے میں جو سرکردہ لوگ تھے، ان کی مخالفت، تحریک میں کچھ سختی اور بے لچک رویے کی وجہ سے خود مسلمانوں میں تحریک کے مخالفین پیدا ہوگئے تھے، جو اس کی ظاہری ناکامی میں بڑے مؤثر ثابت ہوئے۔

اگر اس واقعے ہی کو برصغیر کے علمی اور دینی اداروں میں باقاعدہ تجزیہ وتحلیل کے ساتھ پڑھایا جائے تو اس میں مسلمان آبادی میں اصلاحی تحریکوں کے متعلق بہت کچھ واضح ہوجاتا ہے، اس تحریک سے کچھ سیکھنے کا اہتمام نہیں ہوا، آنے والی نسلوں میں احیائے اسلام کے جذبات نے جب انگڑائی لی تو پھر وہی شدت، نفرت، سختی اور غلو سامنے آنے لگا، اس کے بعد افغانستان کا روس کے خلاف جہاد ہو، اس میں کسی مسلمان کو شک نہیں ہونا چاہیے کہ روس کے خلاف افغانوں کی مزاحمت شرعی، عقلی اور عرفی لحاظ سے ایک ضروری اور لائق قدر مزاحمت تھی، جس کے جہاد ہونے میں کسی عقلمند اور منصف کو تردد نہیں ہوگا، لیکن سوویت یونین کی تحلیل کے بعد مجاہدین کے مختلف دھڑوں کے درمیاں جو فساد ہوا، وہ بھی تاریخ کا ایک تاریک حصہ ہے۔ سبب وہی تھا کہ کفار کے خلاف مزاحمت اور مسلمانوں کے احوال کی اصلاح کے لیے کیے جانے والے اقدامات میں مزاج ایک ہی رہا، اس لیے اس نے منفی اثرات پیدا کیے جس سے مسلمانوں کا بھلا کسی طرح نہ ہو سکا۔ اس کے بعد تحریک طالبان افغانستان بھی اندرونی لڑائیوں اور باہم پیکار کے نشتر کھاتی رہی اور دسیوں ہزار جانیں حیرتان بندر اور مزار شریف کے میدانوں میں بکھر گئیں اور بالآخر مسلمان آبادی ہی کی معاونت سے افغانستان پر امریکا کا تسلط ہوا، جو اب تک جاری ہے۔ اس دوران ناقابل بیان نقصانات کا بھی غیر جانبدارانہ تجزیہ نہ ہوسکا، نہ ہی ان کے اسباب کو منقح کرکے آیندہ نسلوں کے لیے بطور سبق پیش کرنے کا اہتمام کیا گیا۔

پھر پاکستان میں یہی ہوا، فوج اور مجاہدین ایک دوسرے کی اصلاح کی کوشش کرتے رہے، جس میں مقامی آبادی ذلیل وخوار ہو کر رہ گئی۔ ہزاروں جانیں ضائع ہوگئیں اور دین واسلام کے حوالے سے صورت حال پہلے سے زیادہ ابتر ہوگئی۔ اب ایک گروہ نے ہتھیار پھینکنے کا اعلان کر دیا ہے، اس کے اسباب پر بھی شاید کوئی توجہ نہ دے، نہ ان سے کوئی سبق حاصل کرنے کی کوئی کوشش ہو۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ چند دن بعد جب یہ واقعات پرانے ہوجائیں گے تو نوجوان کو پھر اسی طرح تحریکوں میں دھکیلا جائے گا اور پھر وہی مشق کی جائے گی، جس سے اب تک اصلاح نہ ہوسکی۔ حدیث شریف میں ہے کہ مومن ایک سوراخ سے دومرتبہ نہیں ڈسا جاتا، جبکہ ہم ایک سوراخ سے ہزار مرتبہ ڈسے جانے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں۔

دینی جماعتوں کے ذمہ داروں سے

کچھ معروضات

آج کل دینی جماعتیں انتشار کا شکار ہیں، ہر درد مند دل تمنا رکھتا ہے کہ یہ اتحاد کرلیں۔ جتنا دینی جماعتوں کا اتحاد ضروری ہے، اتنا ہی دینی جماعتیں اس سے گریزاں ہیں۔ اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ دینی جماعتوں کے اتحاد کی ضرورت پر کچھ لکھا جائے۔

(۱) پہلی وجہ تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی مضبوطی سے پکڑ لو۔ اس کا تقاضا ہے تمام جماعتیں ایک رستے پر چل نکلیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے آپس میں نہ جھگڑو! پس بزدل ہوجاؤ گے اور تمہارا رعب اُٹھ جائیگا۔ واقعی آپس کی تنازعت کی وجہ سے معاشرے پر دینی جماعتوں کا کوئی رعب نہیں رہا، ہر کہ دمہ دینی جماعتوں کا مذاق اُڑاتا ہے۔

(۳) اسلامی اصلاحات نافذ کرنے کے لیے پارلیمنٹ میں موثر ومضبوط نمایندگی ہونی چاہیے اور یہ اتحاد کے بغیر ممکن نہیں۔

(۴) پاکستان کی تاریخ کے الیکشن بتاتے ہیں کہ اکیلے اکیلے دینی جماعتوں کو کوئی موثر نمایندگی حاصل نہیں ہوتی، اس لیے ضروری ہے کہ ماضی سے سبق حاصل کریں، مستقبل میں بھرپور اتحاد کے ساتھ میدان میں آئیں۔

(۵) اگر دینی جماعتوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر جماعت کے محدود حلقے ہیں، اس سے وہ خاطر خواہ اکثریت حاصل نہیں کر سکتے۔

(۶) دینی جماعتوں میں سے ہر ایک کے پاس وسائل اتنے نہیں کہ ملک گیر مہم چلا کر عوام کو اپنے ساتھ ملا سکے۔

(۷) غیر مسلم لابی پاکستان کو سیکولر بنانا چاہتی ہے، تین صوبوں میں واضح طور پر سیکولر حکومتیں قائم ہوچکی ہیں۔ پنجاب میں جو نظام تعلیم رائج ہے، وہ سیکولر ہے، مذہبی مواد نصاب سے نکالا جا چکا ہے اور باقی نکالا جارہا ہے، جو مذہبی لوگ اس قوم کے ہیرو رہے ہیں، اُن کے حالات سے ہمارے بچوں کو بے خبر رکھا جارہا ہے۔ اس سیلاب کو روکنے کے لیے مضبوط بند باندھنے کی ضرورت ہے، مذہبی جماعتیں الگ الگ رہ کر اس بند کو باندھنے کی قدرت نہیں رکھتیں۔

(۸) جہاں تک اسلامی انقلاب لانے کی ضرورت ہے، اتنا اسلامی شعور عوام میں پیدا نہیں کیا جارہا۔ اسلامی نظام کی خوبیاں، اسلامی نظام کی معاشی خوبیاں، ملک کے نظم ونسق کو اسلامی طرز میں ڈھالنے کے فوائد اور غریب، مزدور طبقہ کی دادرسی، نوتعلیم یافتہ افراد کے ذہنوں میں اسلام کی برتری پیدا کرنے کی ضرورت ہے، جو تنہا ہر جماعت نہیں کرسکتی، بلکہ تمام جماعتیں متحد ہوکر تقسیم کار کے ذریعے یہ کام کریں۔ مزدوروں، کسانوں، طلبہ، تاجر حضرات، وکلاء اور زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے افراد میں دینی جماعتوں کا تعلق اور کردار ہونا چاہیے، تاکہ ہر طبقہ دینی نظام، نظام مصطفیٰ، نظام خلفائے راشدین سے واقف ہو۔

(۹) تمام دینی جماعتوں کا ایک پلیٹ فارم، اسلامی اتحاد، کے نام سے قائم کرکے ہر شعبہ زندگی میں اسلامی نظام کے فوائد کو اُجاگر کیا جائے۔

(۱۰) ایک مرکز کے تحت غریبوں، مزدوروں، کسانوں، تاجروں کے مسائل حل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر اس نازک دور میں جب بے دین جماعتیں دندناتی پھر رہی ہیں اور بے دینی پھیلانے میں مصروف ہیں اور ناچ گانے، لڑکے اور لڑکیوں کے مخلوط ڈانس جیسے حربے استعمال کرکے بے حیائی پھیلا رہی ہیں، ایسے میں بہت ضروری ہوجاتا ہے کہ دینی جماعتیں ہر شعبہ زندگی میں لوگوں کو دین کی، شرم وحیاء کی اہمیت کا احساس دلائیں۔

(۱۱) بنگلادیش جو پہلے مشرقی پاکستان اور ایک اسلامی ملک تھا، اب سیکولر بن چکا ہے۔ وہاں دینی احتجاج کی اہمیت نہیں رہی۔ ملک کا قانون سیکولر بنا دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے ناموس رسالت، ناموس صحابہ، شعائر اسلام کی توہین کا کوئی نوٹس نہیں لیا جاتا۔ اگر خدا نہ خواستہ یہ ملک پاکستان بھی سیکولر بنادیا گیا تو موجودہ آئین کی رو سے اب جو احتجاج موثر ہوتے ہیں، پھر سیکولر آئین کی وجہ سے ہرگز موثر نہ ہوسکیں گے۔

(۱۲) خفیہ سازش کے ذریعے فوج میں سیکولر ذہن کو ترقی دی جارہی ہے، اگر

پاکستان میں کوئی فوجی سربراہ سیسی (مصر) جیسا آ گیا تو تمام دینی جماعتیں ختم ہوجائیں گی۔

(۱۳) پارلیمنٹ کے لیے جو نمایندے منتخب کیے جاتے ہیں، اُن کے بارے میں کوشش کی جائے کہ وہ اسلام، ختم نبوت، رسالت مآب ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی ناموس کے قائل ہوں۔ دین دار لوگوں کو چننے کی کوشش کی جائے، تاکہ وہ ملک کا آئین تبدیل نہ کر سکیں، ورنہ اگر حسینہ واجد (بنگلہ دیش) جیسے نظریے کا وزیراعظم بن گیا تو پھر پانی سر سے گذر جائیگا۔

دینی جماعتوں کے سربراہ ہوں کی توجہ مبذول کرنے کے لیے یہ چند حروف تحریر کیے ہیں، اُمید ہے ہر جماعت کا سربراہ اتحاد کے لیے کوشاں ہوگا۔

ماہین فاطمہ

موبائل فون ۔ دماغ کے لیے نقصاندہ

موجودہ دور میں موبائل فون کا استعمال چوں کہ وسیع پیمانے پر کیا جارہا ہے، اس لیے اب یہ ہر فرد کے کان سے لگا نظر آتا ہے، تاہم سائنسداں اب اس کے مضر اثرات پر تحقیق کر رہے ہیں۔ اس کا استعمال اب ختم نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کہ یہ زندگی کا لازمی حصہ بن چکا ہے۔ موبائل فون تاب کاری توانائی کے ذریعے سے کام کرتا ہے، اس لیے دن کے بیشتر لمحات میں ہم اس توانائی کی زد میں رہتے ہیں۔ جب ایٹم (سب سے ننھا ذرہ) اپنے غیر مستحکم ذرات اس فون کے ذریعے سے خارج کرتا ہے تو وہ ہم پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ چوں کہ موبائل فون کان سے لگا رہتا ہے، اس لیے ان ذرات کا اثر دماغ تک پہنچتا ہے اور یہ اس کا بافتوں کو نقصان پہنچانے لگتے ہیں۔ یہ تحقیق ابھی کسی حتمی نتیجے پر نہیں پہنچی اور ابھی اس کی تصدیق ہونا باقی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ انسانی دماغ چوں کہ بے حد حساس ہوتا ہے، اس لیے برقی مقناطیسی لہریں اس پر زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں۔

تحقیق کرنے والوں کے نزدیک ریڈیائی تاب کاری (جس میں ایکسرے اور گاما شعاعیں شامل ہیں) کے اثرات غیر ریڈیائی تاب کاری (جس میں دکھائی دینے والی روشنی، مائکروویو اور ریڈیو کی لہریں شامل ہیں) سے مختلف ہوتی ہے۔ ریڈیائی تاب کاری سے ڈی این اے (DNA) کو نقصان پہنچتا ہے۔ چناں چہ ہمیں ایسی چیزوں کا استعمال بہرحال کم سے کم کرنا چاہیے، جن سے ریڈیائی تاب کار شعاعیں خارج ہوتی ہیں۔ غیر ریڈیائی تاب کاری جس میں ذاتی استعمال میں آنے والے بے تار باقی آلات اور موبائل فون شامل ہیں، ان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

جب آپ موبائل فون پر کسی سے گفتگو کرتے ہیں تو ایک ٹرانسمیٹر آپ کی آواز کو لہروں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ یہ لہریں اینٹینا کے ذریعے سے فضا میں پھیل جاتی ہیں۔ ان

لہروں کی فریکوئنسی سے پیمایش کی جاتی ہے۔ موبائل فون گفتگو کرنے کے دوران چوں کہ کان سے چپکا رہتا ہے، اس لیے اس بات کے امکانات ہوتے ہیں کہ ہماری بافتوں (Tissuse) میں تاب کاری لہریں جذب ہوجاتی ہوں۔

اٹھارہ افراد پر کیے گئے ایک تجربے میں انہیں موبائل فون پر ۳۰ منٹ تک کی گفتگو سنوائی گئی۔ موبائل فون کے درجۂ حرارت میں کمی بیشی سے ان کے عصبی خلیات بڑی حد تک متاثر ہوئے۔ جن افراد پر یہ تجربہ کیا گیا تھا، ان کے دل کی دھڑکنوں، دماغی قوت، نیند اور بلڈ پریشر پر بھی کافی اثر پڑا۔

ایسے افراد جو اپنے موبائل کو جسم سے مناسب فاصلے پر رکھتے ہیں، ان پر تاب کاری لہریں کم اثر انداز ہوتی ہیں، ان افراد کی نسبت جو فون کو کان سے چپکائے رکھتے ہیں۔ تاب کار شعاعوں کا اثر اس طرح سے بھی کم کیا جا سکتا ہے کہ ہم فون کا استعمال کم کریں اور اہم مواقع پر ہی کان سے لگائیں، بہتر ہوگا کہ گفتگو کا دورانیہ بھی کم رکھیں۔

تاب کاری اثرات کو کم کرنے کے لیے کچھ ایجادات ہوئی ہیں، لیکن ان کا خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا۔ ہینڈسیٹ اور بیس اسٹیشن بھی قائم کیے گئے ہیں، تاکہ توانائی کے مضر اثرات کم کیے جا سکیں۔ بہت سے ممالک میں موبائل فون کے ٹاوروں کو اسکولوں سے فاصلے پر رکھا جارہا ہے، تاکہ توانائی کے مضر اثرات سے طالب علموں اور اساتذہ کو نقصان نہ پہنچے۔ سائنسداں کوششیں کررہے ہیں کہ موبائل فون کے تاب کاری اثرات کم کرکے انسانی زندگی کو محفوظ رکھا جائے۔

شمس الحق ندوی

ملت کی مفاد کا سودا کرنے کی روش
اور اس کے نتائج

ہر بندۂ مومن کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ اس کائنات کی خالق و مالک بس ایک ہی ذات ہے، وہ کسی کی محتاجی نہیں، اور سب اس کے محتاج ہیں، پوری کائنات پر اسی کی فرمانروائی ہے، وہ ہر ہر چیز کو جانتا اور ہر ہر عمل وحرکت کی پوری خبر رکھتا ہے، کسی آن اور کسی لمحہ بھی وہ غافل نہیں ہوتا، اسی کے ساتھ مسلمان یہ بھی عقیدہ رکھتا ہے کہ ایک دن ایسا بھی آ کے رہے گا، جب یہ دنیا مٹادی جائے گی اور انسان کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا، مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ خدا کی کتاب قرآن کریم سچی کتاب ہے، اور اس کو لانے والے رسول محمد عربی ﷺ، خدا کے سچے اور آخری رسول ہیں، انہوں نے جو کچھ بتایا اور خبر دی، وہ سب سچ ہے، اس کے خلاف جو کچھ کہا یا بتایا جائے، سراسر غلط ہے۔

ایک ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی یہی عقیدہ رکھتا اور اپنے غلط عمل پر خدا کی پکڑ سے ڈرتا رہتا ہے، غلطی کرکے پچھتاتا اور شرماتا ہے۔

اپنے اس عقیدہ کی روشنی میں مسلمان اپنی قوم اور ملت کے مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے بڑی سے بڑی پیش کش کو ٹھکرادیتا ہے، اس لیے کہ اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ اگر ہم نے اس وقت دین وقوم سے غداری کرکے، کوئی دنیاوی فائدہ اٹھالیا تو آخرت میں کل خدا کے سامنے اس کا بڑا بھیانک بھگتان بھگتنا پڑے گا، اور اس کی تلافی کی ساری راہیں بند ہو چکی ہوں گی۔

اگر کوئی مسلمان، نفس وشیطان کا شکار ہوکر، قوم وملت کے خلاف کسی پیش کش کو قبول کرلیتا ہے اور اس سے قوم کو نقصان پہونچاتا ہے تو وہ عملی منافق ہوتا ہے، آخرت میں اس کو ملت فروشی کی جو سزا ملے گی وہ تو ملے گی ہی، اس دنیا میں بھی وہ جعفر وصادق کہلائے گا اور ہر مسلمان اس کو ذلت وحقارت کی نظر سے دیکھے گا۔

جعفر از بنگال، صادق از دکن
ننگ ملت، ننگ دین، ننگ وطن

ہمیں ان سطروں کے لکھنے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو موجودہ مادہ پرستانہ ذہنیت سے متاثر ہو کر معمولی سے مفاد کے لیے خواہ وہ روپیہ پیسہ کی شکل میں ہو یا عہدہ اور منصب کی صورت میں، اس پر دین وملت کے مفاد کو بھینٹ چڑھا دیتا ہے، جو اس کے ایمان وعقیدہ، دینی وملی غیرت وحمیت کے سراسر خلاف ہوتا ہے اور اس سے قوم وملت کو نا قابل تلافی نقصان پہنچ جاتا ہے، قوموں کی زندگی میں بعض ایسی نازک گھڑیاں بھی آتی ہیں، جن میں بہت سوچ سمجھ کر اہل علم ودانش اور بہی خواہانِ قوم کے رائے ومشورہ سے اقدام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس میں کوتاہی سے پوری قوم کو اس کا نقصان پہونچتا ہے، کبھی کبھی ایک شخص کی نادانی پوری قوم کو ذلت ورسوائی کے غار میں ڈھکیل دیتی ہے۔

چو از قومے یکے بے دانشی کرد
نہ کہ را عزتے ماند نہ مہ را

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جن لوگوں نے بھی اپنے معمولی سے فائدہ کے لیے قوم وملت کو نظر انداز کیا ہے، انہوں نے اپنی ذلت ورسوائی کے ساتھ قوم کو بڑے خطرے میں ڈال دیا ہے، اس وقت ملت اسلامیہ جن خطرات سے دوچار ہے، ان خطرات میں بڑے غور وفکر اور عقل وہوش سے کام لینے کی ضرورت ہے، نہایت سوجھ بوجھ کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت ہے، ہمیں اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ قوموں کی زندگی میں کچھ ایسے نازک لمحات بھی آتے ہیں کہ ان لمحوں کی خطا صدیوں کی سزا کا دروازہ کھول دیتی ہے اور شاعر کو دل پر ہاتھ رکھ کر کہنا پڑتا ہے۔

لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

جب مومن کا ایمان وعقیدہ وہ ہے جس کا اوپر ذکر ہوا، تو اس کے سامنے آج کی موجودہ دنیا میں جس میں چھن چھن میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، گھڑی گھڑی میں انقلاب اور عروج وزوال کا سین سامنے آتا رہتا ہے، کیوں ایک بندۂ مومن قوم کے مفاد کو نظر انداز کر کے، غدار قوم بن کر اپنے ذاتی مفاد کو ترجیح دے، وہ رزق، وہ منصب جو بندۂ مومن کے ایمان پر داغ لگائے، پاؤں سے روندنے کے قابل ہے، نہ کہ اس کے سامنے سر جھکایا جائے، جس رزق سے ایمان کے بال وپر کٹتے ہوں اسے یہ کہہ کر۔

اے طائر لا ہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

لات مار دینا چاہیے، یہ کتنی ستم ظریفی کی بات ہوگی کہ کسی صاحب ایمان کو خرید لیا جائے، اس کا سودا کر لیا جائے، یہ تو ممکن ہے کہ ایک مسلمان اپنے مخلصانہ عمل اور جدوجہد کے بعد دھوکہ کھا جائے، مگر یہ بات ناممکن ہونی چاہیے کہ وہ بک جائے، اس کو خرید لیا جائے، مگر یہ کتنی تلخ حقیقت ہے کہ اس وقت اس باغیرت قوم کی خرید وفروخت کا جال بچھا دیا گیا ہے اور وہ اس کا دانستہ یا نادانستہ شکار ہورہی ہے، جس کے نتیجہ میں ایسے مناظر سامنے آتے ہیں جہاں دل تھام کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ۔

حمیت نام ہے جس کا گئی تیمور کے گھر سے

قوم کی آنکھوں کا تارہ وہی شخص بنتا ہے، جو ہر حال میں قومی اور ملی مفاد کو مقدم رکھتا ہے اور اس کے لیے سب کچھ قربان کر دینے کے لیے تیار ہتا ہے، کوئی پیش کش اور لالچ اس کے پائے ثبات میں جنبش نہیں پیدا کر سکتی، اس کی قومی حمیت مال وزر کے ڈھیر کو ریت کے ٹیلہ سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی، اقبال نے مرد خدا کے بارے میں کہا ہے۔

قوموں کی قسمت وہ مرد درویش
جس نے نہ ڈھونڈھی سلطاں کی درگاہ

موجودہ حالات اور فساد وبگاڑ کا چھایا ہوا کہر دیکھ کر کم، ہمت لوگ مایوسی کی بات کرنے لگتے ہیں اور مایوسی ایسا روگ ہے جو شیر دل انسانوں کو گیدڑ اور لومڑی کی زندگی گذارنے پر آمادہ کر دیتی ہے، یقین واعتماد اور ہمت وحوصلہ جس میں ایمان کی روح کارفرما ہو، وہ جوہر ہے جو مایوسیوں کی شب تاریک کو سفیدی صبح میں تبدیل کر دیتا ہے۔

گماں آباد ہستی میں یقیں مرد مسلماں کا
بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی

حالات کتنے ہی مایوس کن ہوں، بندۂ مومن کے لیے مایوسی کفر ہے، بندۂ مومن کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ایمان کے ان تقاضوں کو پورا کرے، جس کو قرآن کریم نے اللہ کی مدد سے تعبیر کیا ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنا یہ وعدہ پورا فرمائے گا کہ بندۂ مومن کی مدد کرے اور سخت طوفانوں میں اس کے قدم جمائے، اس کا وعدہ ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا**

اللّٰہَ یَنصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ أَقْدَامَکُم ۔ (اے اہل ایمان! اگر تم خدا کی مدد کروگے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا)۔

یہ خدائی وعدہ کسی خاص عہد کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ خاص عمل **إن تَنصُرُوا اللّٰہ** کے ساتھ مخصوص ہے، جب بھی یہ عمل پایا جائے گا خدا کی مدد بھی اپنا جلوہ دکھائی گی، اور اس وقت بھی اپنا جلوہ دکھا سکتی ہے۔

اس دور میں بھی مرد خدا کو ہے میسر
جو معجزہ پربت کو بنا سکتا ہے رائی

موجودہ حالات میں
آپ کی اور ہماری ذمہ داریاں

سماج اور معاشرہ کے بگاڑ، اخلاقی انارکی، ظلم وزیادتی، کمزوروں، یتیموں اور بیواؤں کی نہ صرف حق تلفی، بلکہ ان کے ہاتھ کا لقمہ تک چھین لینے کی شکایت تو سب کرتے ہیں، یہ کوئی نہیں کرتا کہ خود جتنا کچھ کرسکتا ہے کرے، ہر شکایت کرنے والا جب شکایت کرتا ہے، تو اپنے کو اس سے الگ سمجھتا ہے، خرابی کی ساری ذمہ داری دوسروں پر ڈالتا ہے، خود کو پارسا سمجھتا ہے، اور دوسروں کو سر سے پیر تک عیب دار، مثل مشہور ہے کہ: ''دوسروں کی آنکھ کا تنکا تو نظر آتا ہے مگر اپنی آنکھ کا شہتیر نہیں نظر آتا۔''

ہم ان سے کچھ نہیں کہتے، جنہوں نے اپنی زندگیوں کو اس فانی دنیا تک ہی محدود سمجھ رکھا ہے، قرآن کریم کی زبان میں: **إِنْ هِیَ إِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوتُ وَنَحْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِیْنَ**. (سورہ مومنون) نہ مرنے کے بعد جینا ہے، نہ کوئی باز پرس، لیکن جن لوگوں کا ایمان وعقیدہ ہے کہ اس نظام کائنات کو چلانے والی دانا وبینا، پل پل کی خبر رکھنے والی، آنکھوں کی خیانت اور دلوں کی باتوں سے باخبر: **یَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْیُنِ وَمَا تُخْفِیْ الصُّدُورُ**. (سورۃ المؤمن) ایک زبردست جبار وقہار ہی نہیں بلکہ رحمٰن ورحیم ذات ہے۔

ان کا مذکورہ سماجی اور معاشرتی بگاڑ کے دھارے میں بہنا ایسی ہی حیرت کی بات ہے جیسے وہ شخص جو یہ جانتا ہے اور یقین بھی رکھتا ہے کہ اس نگاہوں کے سامنے جو ہرا بھرا جنگل نظر آرہا ہے، اس میں سانپ بچھو، شیر، چیتے، اور بڑے بڑے اژدھے رہتے ہیں، مگر اس کے باوجود دور سے نظر آنے والے پھلوں اور میووں کو دیکھ کر ادھر ہی چلا جارہا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو درخت پر جھولتے ہوئے پھل اور میوے تو نظر آرہے ہیں، مگر اندر کے سانپ، بچھو، شیر، چیتے، اور اژدھے نظر نہیں آرہے ہیں، بالکل یہی حال ہماری اپنی زندگی کا ہے کہ نقد اور فوری فائدہ کی خاطر خواہ کسی طرح سے ہو، چاق وچوبند ہوتے ہیں، اور آنکھوں سے اوجھل برے انجام وعواقب سے غافل ہوجاتے ہیں۔

کبھی سوچا کہ آپ جس بستی میں رہتے بستے ہیں، وہاں مسلمانوں کی آبادی کتنی ہے؟ آپ نے کبھی سوچا کہ ان میں سے کتنے ہیں جو نماز پڑھتے ہیں؟ کتنے ہیں جو روزہ رکھتے ہیں، اور اس کا حق ادا کرتے ہیں؟ کتنے ہیں جن کو اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلانے اور شریعت کا پابند بنانے کا شعور واحساس ہے؟ آپ نے اس سلسلہ میں اپنی صلاحیتوں کو کہاں تک استعمال کیا ہے؟ آ گر آپ خود اپنے تئیں ان چیزوں کے پابند ہیں اور آپ جاگ رہے ہیں تو آپ کا فرض ہے کہ اپنی بستی کے دوسرے لوگوں کو بھی جگائیں اور ان کو راہ دکھائیں، اگر وہ نہیں جانتے، ان پر غفلت کی گہری نیند طاری ہے تو بہرحال انہیں متنبہ کرنے کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ آپ کو غفلت میں کچھ سخت باتیں بھی کہہ دیں، آپ اس کی پرواہ قطعا نہ کیجیے، آپ ان کو بہرحال جگائیے کہ آیات قرآنی:

وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ . (سورہ عصر) (عصر کی قسم! کہ انسان نقصان میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے)۔ میں آپ کو اسی کی تعلیم دی گئی ہے۔

آپ کی بستی میں کوئی مدرسہ ہے؟ اگر ہے تو کس حال میں چل رہا ہے، کبھی اس کی خبر لی؟ اور اگر نہیں ہے تو بستی کے لوگوں کو اس پر آمادہ کرکے مدرسہ قائم کیا؟ اسلام کی تعلیم کے اہم اور موٹے اصولوں سے آپ کی بستی یا محلّہ کے تمام مسلمان واقف ہیں؟ بنیادی عقائد اور ضروری مسائل ان کو معلوم ہیں؟ اگر نہیں تو آپ پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ اس آیت کی رو سے جس کا اوپر ذکر ہوا، اگر آپ صاحب حیثیت ہیں تو کتنے دینی اخبار اور رسالے منگاتے ہیں، جو محض دین کے فروغ اور مسلمانوں کو جگانے کے لیے نکالے جاتے ہیں؟ آپ نے کتنی ایسی دینی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے، جو صحیح اسلامی روح کو بیدار کرتی ہیں، اس کے بعد پھر آپ نے دوسروں کو ان رسالوں اور اخبارات کو منگانے اور پڑھنے اور ان دینی کتابوں کا مطالعہ کرنے کا شوق دلایا ہے؟

کلمہ اسلام کے بعد ہماری ہر صلاحیت **إِنَّ اللّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الجَنَّة** . (سورۃ التوبتہ) کے مطابق اس خدا کے ہاتھ بک چکی ہے، جس کو ہم نے اپنا مالک وخالق مانا ہے، اس کی تائید وتاکید اللہ کے رسول ﷺ کے ان دعائیہ الفاظ سے ہوتی ہے: "**اللهم ان قلوبنا ونواصينا وجوارحنا بيدك لم نملك منها شيئا فاذا فعلت ذالك بنا فكن انت ولينا واهدنا الى سواء السبيل.**" (اے اللہ! ہمارے دل اور ہماری پیشانیاں اور ہمارے اعضاء تیرے قبضہ میں ہیں، تو نے ان میں سے کسی چیز کو ہمارے قبضہ وتصرف میں نہیں کیا ہے، تو اے اللہ! جب تو نے ایسا کیا ہے تو تو ہی ہمارا نگراں وکارساز بن جا اور ہم کو سیدھی راہ دکھا دے)۔ 'سواء السبیل' سیدھا راستہ وہی ہے جس کا کتاب سنت میں حکم دیا گیا ہے، اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے، وہ ضلالت وگمراہی ہے۔

اگر مسلمان بستیاں کتاب وسنت پر عمل کرنے میں کوتاہی کا شکار ہیں، بلکہ کوتاہی سے آگے بڑھ کر مشرکانہ عقائد وغیرشرعی رسم ورواج اور تہذیب وتمدن میں دوسری قوموں کے رنگ میں رنگی ہوئی ہیں، تو ایسے میں خریدار کی نظر لطف وکرم اس وعدہ خلاف وخائن جماعت کی طرف کیسے ہوگی، جس نے عہد کو توڑ رکھا ہے؟

لہٰذا ہماری پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ اپنی خامیوں کا جائزہ لیں، ان کے دور کرنے کی فکر کے ساتھ ماحول اور محلّہ کے سدھار کی فکر کریں، لعن طعن کے ذریعے نہیں، بلکہ پیار ومحبت کے میٹھے انداز میں، جب ہم یہ کریں گے تو اپنی بھی اصلاح ہوگی اور معاشرہ میں سدھار پیدا ہوگا، اور ہمارا شمار ان لوگوں میں ہوگا جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ: **إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ.** (مگر وہ لوگ نقصان میں نہیں ہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق بات کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے)۔

اس لیے کرتے رہنا اور اپنے حقوق کی ادائیگی میں لگے رہنا ہی ہماری ذمہ داری ہے، رہا نتیجہ اور ہماری محنت وکاوش کا ثمرہ، تو یہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔